وکالۃ بالإستثمار: اصلیت اور معاصر تطبیقات

Investment *Wakālah*: its originality and contemporary applications

محمد شعیب خان[i] ڈاکٹر غلام یوسف[ii]

ABSTARCT

The aim and objective of this paper is to clarify that Islam has given priority to the welfare of humanity in all aspect of life, so he can handover his permissible work to another person in the base of necessity, it called agency (Wakālah).

This study also explains that in Islamic Sharia has its own limits and conditions for agency.

This study indicates that shari'ah not contrary investments are permissible in Islam, therefore, wakālah can be used as an investment tool, while the subject matter is known and the contract of wakālah does not contain non-Shariah matters.

This study also explain that Investment Wakālah is obligatory contract between the contractors, and when the agent done his job he become entitled his wages, whether there have been gained profit or loss in the investment activity, However, if the loss gained due to the negligence of the agent, then the responsibility be make on the agent.

Investment Wakālah can be used also as an alternative to a bank overdraft. Banks and other financial institutions can hire each other as an agent for the legitimate investment activity.

Key words:

Wakālah, Investment wakālah, Originality, Contemporary Applications

تعارف

شریعتِ اسلامی کے حوالے سے عقدِ وکالت ایک جائز عقد ہے۔ یہ لوگوں کی ضرورت اور مصلحت کے پیشِ نظر مشروع ہے جس میں ایک شخص اپنے جائز تصرف کے حق کو مقررہ اُصول و قواعد کے تحت کسی دوسرے شخص کو سپرد کرتا ہے۔ اپنے سادہ معنی کے لحاظ سے وکالت عقدِ تبرع ہے، لیکن عصرِ حاضر میں وکالت کا استعمال سرمایہ کاری کے لئے بھی کیا جارہا ہے۔

کیا وکالت کو سرمایہ کاری کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے؟

وہ کونسی شرائط ہیں جن کا لحاظ کرکے وکالت کو سرمایہ کاری کے لئے بروئے کار لایا جاسکتا ہے؟

سرمایہ کاری کے لئے وکالت کے معاصر تطبیقات کیا ہیں؟

[i]۔ پی ایچ۔ڈی ریسرچ سکالر، شریعہ ڈیپارٹمنٹ، فیکلٹی آف عربیک اینڈ اسلامک اسٹڈیز، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

[ii]۔ چیئرمین شریعہ ڈیپارٹمنٹ، فیکلٹی آف عربیک اینڈ اسلامک اسٹڈیز، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

کیا وکالۃ بالاستثمار کی معاصر تطبیقات شرعی لحاظ سے درست ہیں؟ اس مقالہ میں یہ اور اس قسم کے دوسرے سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

وکالت کے لغوی واصطلاحی معانی:

وکالت کے لغوی معنی: لفظ وکالت کا مادہ عربی زبان میں "و ک ل" ہے۔ لغوی اعتبار سے اس مادے کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے:

(1) التفويض إلي الغير والإعتماد:[1]

یعنی کسی دوسرے شخص پر اعتماد کر کے اپنا کام سپرد کرنا۔ قرآن کریم میں یہ مادہ اسی معنی کے لئے استعمال ہوا ہے؛ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفَى بِاللّٰهِ وَكِيلًا﴾[2] أي "وفوّض إلى الله أمرك يا محمّد، وثقبه."[3]

ترجمہ: "اور خدا پر بھروسہ رکھو، اور کارساز خدا ہی کافی ہے۔ یعنی اے محمد: اللہ تعالیٰ کو اپنا معاملہ سپرد کرو اور اُسی پر اعتماد کرو۔"

(2) الحفظ والقيام بالأمر:

یعنی حفاظت اور کسی کام کو سرانجام دینا، چنانچہ وکیل وہ شخص ہوتا ہے جس کو کوئی کام سپرد کر کے اپنا قائم مقام بنائے۔ لسان العرب میں ہے:

"وكيل الرجل: هو الذي يقوم بأمره؛ لأن مؤكّله قد وكّل القيام إليه بأمره فهو موكولٌ بأمره."[4]

ترجمہ: "کسی آدمی کا وکیل وہ ہوتا ہے جو اُس کا سرانجام دیتا ہو، کیونکہ مؤکل نے اُن کو اپنے کام کی سرانجام دینے کے لئے وکیل بنایا ہے، چنانچہ اُس کو کان سپرد کیا ہوا ہاتا ہے۔" قرآن کریم میں اسی معنی کے لئے بھی وکالت کا مادہ استعمال ہوا ہے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ... وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ﴾[5] أي ما أنت عليهم بحفيظ.[6]

ترجمہ: "ہم نے تم پر کتاب لوگوں (کی ہدایت) کے لئے سچائی کے ساتھ نازل کی ہے... اور (اے نبی ﷺ) تم ان کا ذمہ دار نہیں ہو۔" یعنی آپ اُن کے محافظ نہیں ہیں۔

غور کیا جائے تو دونوں معانی کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق ہے کیونکہ کسی آدمی پر اعتماد کر کے کوئی کام سپرد کر دینا "سبب" ہے اور پھر اس کی حفاظت اور انجام دہی "مسبّب" ہے۔ "کشاف اصطلاحات الفنون" میں ہے:

الوكالة: بالكسر والفتح اسم من التوكيل بمعنى التفويض والاعتماد، وقد تطلق على الحفظ.[7]

ترجمہ: "وکالت (واو) کے زیر اور زبر کے ساتھ، توکیل (باب تفعیل) کا اسم ہے، یہ سپرد کرنے اور اعتماد کے معنی کے لئے آتا ہے، اور کبھی کبھی حفاظت کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔"

وکالت کی اصطلاحی تعریف:

وکالت ایک جائز معاملہ ہے۔ فقہاء نے وکالت کی تعارف، اقسام اور معاملات میں وکالت کے استعمال کی شرعی حیثیت کا ذکر اپنی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ ذیل میں فقہاء کی ذکر کردہ وکالت کی چند تعریفات بیان کی جاتی ہیں۔

احناف کے ہاں وکالت

بأنها: '' إقامة الإنسان غيرهمقامهفي تصرف معلوم.''[8]

ترجمہ: ''کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو اپنے کسی معلوم تصرف (کام) میں اپنا نائب بنائے۔''

لیکن یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ یہ تعریف جامع نہیں ہے، چنانچہ امام زیلعیؒ (م: 743ھ) نے ان الفاظ کے ساتھ عقد وکالت کی تعریف کی ہے:

''إقامة الإنسان مقام نفسه في التصرف الجائز المعلوم ممن يملكه.''[9]

ترجمہ: ''کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو کسی جائز اور معلوم تصرف (کام) میں اپنا قائم مقام بنائے، جس کا وہ خود مالک ہو۔''

اس تعریف کے ذریعے امام موصوف نے ماقبل تعریف پر ایک استدراک ''**في التصرف الجائز**'' کے ساتھ یہ کیا ہے، کہ صبی (لڑکا) جو ممیز (باشعور) ہو، وہ اپنے مال کے ہبہ پر کسی کو وکیل نہیں بنا سکتا کیونکہ وہ اپنے مال کو خود ہبہ نہیں کر سکتا لہذا کسی کو اس پر وکیل بھی نہیں بنا سکتا۔[10]

دوسرا استدراک ''**ممن يملكه**'' کے ساتھ یہ کیا ہے کہ فضولی (تیسرا شخص) کی وکالت بھی جائز نہیں کیونکہ وہ اس تصرف کا مالک نہیں ہوتا[11]۔ البتہ اگر مؤکل اجازت دے تو نافذ ہو گا۔

مالکیہ کے ہاں وکالت:

مالکی فقہاء نے بھی قریب قریب اسی طرح تعریف کی ہے، چنانچہ امام قرافی مالکیؒ (م: 684ھ) وکالت کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

''هي نِيَابَةٌلِذِي حَقٍّ غَيْرِ ذِي إِمْرَةٍ، وَلَا عِبَادَةٍ، لِغَيْرِهِ فِيهِ، غَيْرُ مَشْرُوطَةٍ بِمَوْتِهِ.''[12]

ترجمہ: ''کوئی (کسی تصرف کا) حق دار کسی اور آدمی کو کسی ایسے کام کے لئے اپنا نائب بنائے جو بطورِ امر (order) نہ ہو اور نہ وہ کام عبادات میں سے ہو اور مؤکل کی موت کے ساتھ بھی مشروط نہ ہو۔''

امام قرافی (م: 684ھ) کی تعریف میں دو قیود کا اضافہ ہے: ایک قید یہ ہے کہ وکالت صرف ان معاملات میں جائز ہے جن میں نیابت (قائم مقام بنانا) ہو سکتی ہو، چنانچہ نماز، روزہ اور وضوء میں وکالت جائز نہیں۔

دوسرا قید یہ ہے کہ مؤکل کی زندگی میں وہ تصرف ہو۔ اس کے ساتھ وکالت اور وصیت کے مابین فرق معلوم ہو جاتا ہے۔[13]

شوافع کے ہاں وکالت کی تعریف:

اکثر فقہائے شافعیہ کے ہاں وکالت کی تعریف یہ تعریف پائی جاتی ہے:

"تفویضُ شخص أمره، إلي آخر فيما يقبل النيابة، ليفعله في حياته."[14]

ترجمہ: "کوئی آدمی کسی دوسرے شخص کو اپنا کوئی ایسا کام سپرد کرے جس میں نیابت جائز ہو، تاکہ وہ اس کام کو اس کی زندگی میں سرانجام دے۔"

حنابلہ کے ہاں وکالت:

حنابلہ وکالت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"اسْتِنَابَةُ جَائِزِ التَّصَرُّفِ مِثْلَهُ فِيمَا تَدْخُلُهُ النِّيَابَةُ."[15]

ترجمہ: "کسی ایسے جائز تصرف جس میں نیابت ہو سکتی ہو، میں اپنے کسی مثل کے قائم مقام بنانے کو وکالت کہتے ہیں۔"

عقدِ وکالت کی شرعی حیثیت:

عقدِ وکالت ایسا عقد ہے جو مؤکل اور وکیل کی باہمی رضامندی سے وجود میں آتا ہے لہذا یہ ایک جائز من الطرفین (مؤکل اور وکیل) عقد ہے۔ شریعت کے تمام مصادر یعنی قرآن کریم، سنتِ رسول اور اجماع سے اس کی مشروعیت ثابت ہے۔

قرآن کریم میں وکالت:

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں زکوٰۃ کے مصارف کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا...﴾[16]

ترجمہ: "زکوۃ مفلسوں، اور محتاجوں، اور اس کا کام کرنے والوں کا حق ہے...۔"

وجہِ استدلال:

اس آیت میں لفظ الْعَامِلِينَ (اس کام پر جانے والوں کا) وکالت کے جواز پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ عاملین کو حاکم اور بادشاہ، وکیل بنا کر زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے بھیجتا ہے[17]۔ چنانچہ زکوۃ کی وصولیابی میں مستحقینِ زکوۃ کے لئے نائب مقرر کئے گئے ہیں اور وکالت کا بھی یہی معنی ہے۔

احادیث میں وکالت:

عقد وکالت کا ثبوت جس طرح کتاب اللہ سے ہوتا ہے، اسی طرح احادیثِ رسول اللہ ﷺ سے بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی قولی اور فعلی حدیثیں وکالت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ نیز صحابہ کرام کے اثار اور تعامل سے بھی وکالت ثابت ہوتی ہے۔ بطورِ نمونہ چند حدیثیں نقل کی جاتی ہیں:

(1) صحیح بخاری کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بذاتِ خود سیدنا عروۃ بن الجعد البارقی رضی اللہ عنہ (م:70ھ) کو ایک دینار دے کر بکری خریدنے کے لئے وکیل بنایا تھا۔[18]

وجۂ استدلال:

یہ روایت جس طرح وکالت بالشراء (خریداری کے لئے وکالت) کے لئے دلیل ہے اسی طرح اس بات پر بھی دلیل ہے کہ اگر وکیل کچھ خرید لے اور پھر مؤکل کی مصلحت کے لئے اسے دوبارہ بیچ دے اور مؤکل اس کی جازت دے تو اس میں شرعی نقطۂ نظر سے کوئی حرج نہیں۔

(2) سنن اَبی داوٗد میں سیدنا جابر بن عبد اللہ (م:78ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے منقول ہے:

قال أردت الخروج إلى خيبرَ، فأتيتُ رسولَ الله ﷺ، فَسَلّمتُ عليه، وقلتُ له: إني أردتُّ الخروجَ إلى خيبرَ، فقال:إذا أتيت وكيلي، فخذ منه خمسةَ عشرَ وسقا، فإن ابتغى منك آية، فضع يدك على ترقوته[19].

ترجمہ: "فرمایا: میں ایک دفعہ خیبر کی طرف جارہا تھا، تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو اور سلام کرکے عرض کیا کہ میں خیبر کی طرف جارہا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: "جب آپ میرے وکیل (نائب) کے پاس پہنچ جائیں تو اُن سے پانچ وسق وصول کر لیں، اگر وہ تم سے کسی علامت کا مطالبہ کرے، تو اُن کے ترقوت (ہنسلی کی ہڈی) پر اپنا ہاتھ رکھ لیں"۔

یہ حدیث درج ذیل امور پر دلالت کرتی ہے:

- صدقات (زکوۃ) وصول کرنے اور مستحقین کو دینے کے لئے وکیل کا تقرر کرنا۔
- امیر یا حاکم کسی کو وکیل کی طرف بھیج کر زکوۃ کے مال میں سے دینے کا جائز ہونا۔
- اَمارۃ قبول کرنا اور مرسل الیہ (Addressee) جب قاصد (Messenger) کی طرف سے مطمئن ہو جائے (علامت یا خط دیکھ کر) تو ان کی تصدیق کرنا۔
- وکیل اور مؤکل کے مابین کسی نشانی کے مقرر کرنے کا مستحب ہونا۔

اجماع میں وکالت:

شریعتِ اسلامی کے سارے احکام حکمت اور مصلحت پر مبنی ہیں۔ کسی ایسے حکم کو جاری نہیں کیا جس کا کوئی فائدہ اور مصلحت نہ ہو، اور نہ کسی ایسے حکم کو ممنوع قرار دیا ہے جس میں لوگوں کے لئے مصلحت ہو۔ خصوصاً معاملات کے میدان میں لوگوں کی مصلحتوں کا بہت زیادہ لحاظ کیا گیا ہے۔ عقدِ وکالت میں بھی لوگوں کی مصلحت اور فائدہ ہے کیونکہ ایک آدمی اپنے سارے اُمور از خود سر انجام دینے سے قاصر ہوتا ہے، اس وجہ سے عقدِ وکالت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

اُمتِ اسلامیہ کے سارے فقہاء کا بھی عقدِ وکالت کے جائز ہونے پر اجماع ہے، چنانچہ فقہ کی اکثر کتب میں یہ اجماع نقل کیا گیا ہے[20]۔

وکالت کی ضرورت وحکمت:

انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تقریباً جملہ پہلوؤں کے ساتھ وکالت کا گہرا تعلق ہے اور اسلامی شریعت میں بھی اس کے محاسن اور خوبیوں کو مدِ نظر رکھ کر اس کو جائز بلکہ بعض مواقع پر اس کو مستحسن قرار دیا ہے؛ کیونکہ اس کے ساتھ اُن محتاج اور ضرورتمند لوگوں کی داد رسّی کی جاسکتی ہے جو خود کسی کام کی قدرت نہ رکھتے ہوں اور اُنہیں ضرورت اور حاجت بھی ہو۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان، متنوع صلاحیتوں اور مختلف طبیعتوں کے ساتھ پیدا کئے ہیں؛ کیونکہ ایک آدمی ایسا ہوتا ہے جو کسی کام میں ماہر ہوتا ہے، اور دوسرا آدمی اس طرح کی مہارت نہیں رکھتا۔ اس طرح بعض لوگوں کے پاس پیسہ ہوتا ہے لیکن تجارتی مہارت نہیں رکھتے۔ اس کے برعکس دوسرے لوگ کے پاس پیسہ تو نہیں ہوتا لیکن تجارتی اور کاروباری مہارت رکھتے ہیں اس صورتِ حال میں وکالت کی ضرورت ہوتی ہے۔

عصرِ حاضر کے ترقی یافتہ دور میں عقدِ وکالت کی اہمیت اور ضرورت بڑھ رہی ہے۔ جدید اقتصادی معاملات میں اکثر و بیشتر کا تعلق عقدِ وکالت کے ساتھ ضرور ہوتا ہے چنانچہ بینک بہت سے سارے معاملات اپنے عمیل (Client) کی طرف سے از روئے وکالت کام سرانجام دیتا ہے۔ اسی طرح معاصر عدالتی معاملات میں بھی عقدِ وکالت کی ضرورت اور اہمیت بڑھ رہی ہے کیونکہ ہر کوئی آج کل کے عدالتی نظام کی پیچیدگیوں کو نہیں سمجھتا اس کے لئے ایک ماہر قانون دان کی ضرورت ہوتی ہے جو مدعی (Claimer) یا مدعیٰ علیہ (Defendant) کی طرف سے وکیل بن کر قضیہ (Legal case) میں راہنمائی کرے اور قاضی (Judge) کے سامنے حاضر ہو کر اپنے مؤکل کا دفاع کرے۔

یہ اور اس طرح کے بہت سارے معاملات میں عقلاً عقدِ وکالت ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ اسی وجہ سے شریعتِ اسلامیہ انسانی ضروریات اور مصالح کے پیشِ نظر عقدِ وکالت کو جائز قرار دیتی ہے، چنانچہ رسول کریم ﷺ بھی بعض کام خود کیا کرتے تھے اور بعض کام دوسرے لوگوں کو سپرد کرتے تھے[21]۔

ارکانِ عقدِ وکالت :

عقدِ وکالت کے ارکان میں جمہور فقہاء اور احناف سے دو طرح کے اقوال منقول ہیں:

1۔ جمہور فقہاء کے نزدیک وکالت کے چار ارکان ہیں:

(1)	مؤکل یا اصیل	(Principal)
(2)	وکیل	(Agent)
(3)	صیغۂ وکالت	یعنی ایجاب (Offer) اور قبول (Acceptance)
(4)	مؤکل فیہ	(Subject matter of Wakalah)[22]

2۔ احناف کے ہاں عقدِ وکالت کے لئے صرف ایک رُکن ہے: یعنی صیغۂ وکالت (جو کہ ایجاب و قبول ہے)۔

جمہور فقہاء اور احناف کے درمیان وکالت کے ارکان (رکن) میں اختلاف کا اصلی سبب رکن کی حقیقت اور ماہیت میں اختلاف ہے؛ کیونکہ احناف کے ہاں کسی شیٔ کا رکن وہ ہوتا ہے جو اُس شیٔ کی حقیقت اور ماہیت میں داخل ہو یعنی اُس کا جزو ہو،[23] اور جمہور فقہاء کے ہاں رکن وہ ہوتا ہے کہ وہ شیٔ اس پر موقوف ہو، خواہ رُکن اس کی حقیقت اور ماہیت میں داخل ہو یا داخل نہ ہو[24]۔

درحقیقت یہ اختلاف حقیقی نہیں بلکہ لفظی ہے؛ کیونکہ عقدِ وکالت کے لئے ان چاروں اَشیاء (مؤکل، وکیل، صیغہ، مؤکل فیہ) سے کوئی چارہ نہیں، اس لئے کہ صیغہ (ایجاب اور قبول) کے لئے مؤکل اور وکیل کا پایا جانا ضروری ہے؛ کیونکہ مؤکل موجِب (Offerer) ہوتا ہے اور وکیل قابل (Accepter) ہوتا ہے۔ اور اسی طرح مؤکل فیہ کا پایا جانا بھی لازمی ہے؛ کیونکہ یہ ایجاب اور قبول کے انعقاد کے لئے محل

ہوتا ہے اور اس کے بغیر ایجاب اور قبول کا انعقاد ممکن نہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فریقین کے ما بین موجود اس اختلاف کا کوئی ایسا کردار نہیں ہے جو احکام پر اثر انداز ہو۔[25]

احناف فقہاء مؤکل اور وکیل کو اطرافِ عقد کہتے ہیں اور مؤکل فیہ کو محل عقد کہتے ہیں۔ ذیل میں صیغۂ وکالت (ایجاب اور قبول) کے احوال و شرائط اور مؤکل، وکیل (اطرافِ وکالت) اور مؤکل فیہ (محل عقد) کے احوال اور شرائط کا بیان کیا جاتا ہے۔

الوکالۃ بالإستثمار (Investment Agency):

وکالہ بالاستثمار یا سرمایہ کاری کے لئے وکالت سے یہ ہے: کہ مال میں سرمایہ کاری اور بڑھوتری کی غرض سے ایسا عقد کیا جائے، جو مضاربت اور شرکت کی بنیاد پر نہ ہو۔ قدیم فقہاء نے اپنی کتب میں مطلق وکالت کے حوالے سے طویل بحثیں کی ہیں لیکن وکالت کی اس قسم پر کلام نہیں کیا ہے، جبکہ عصرِ حاضر میں وکالت کی اس قسم کا رواج روز بروز بڑھ رہا ہے؛ کیونکہ یہ بھی مضاربت اور شرکت کی طرح سرمایہ کاری کے ایک آلے کی طرح استعمال ہو رہا ہے، البتہ مضاربت سے یہ چند وجوہ کی بنا پر مختلف ہے؛ کیونکہ اس میں منتظم (وکیل) کو خطرہ (Risk) نہیں ہوتا، سرمایہ کار (مؤکل) تمام منافع کا مالک ہوتا ہے، سرمایہ کاری میں نفع اور نقصان دونوں صورتوں میں وکیل اُجرت کا مستحق ہوتا ہے۔

قانون میں وکالت بالاستثمار کی تعریف یہ کی گئی ہے:

"عقد يتعهد الوكيل بمقتضاه بأن يجري بإسمه تصرفاً قانونياً لحساب المؤكل لقاء أجر معين.[26]"

ترجمہ: "یہ ایسا عقد ہوتا ہے جس کی بنا پر وکیل اپنے نام پر مؤکل کے کھاتے میں مقرر اُجرت کے بدلے قانونی تصرّف کرنے کا اہل بن جاتا ہے۔" اس عقد کو "وكالة بالعمولة" اور "وكالة التجارية" بھی کہتے ہیں۔

معاییر الشرعیہ میں وکالۃ بالاستثمار کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"الوكالة بالإستثمار هي: إنابة شخص غيره لتنمية ماله، بأجرة أو بغير أجرة.[27]"

ترجمہ: وکالۃ بالاستثمار یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کو اپنے مال میں سرمایہ کاری کے لئے نائب بنائے، یہ اُجرت کے ساتھ بھی صحیح ہے اور بغیر اُجرت کے بھی صحیح ہے۔"

وکالۃ بالإستثمار کے شرائط:

وکالۃ بالاستثمار کے لئے وہی شرائط ہیں جو عام تصرفات کے عقدِ وکالت میں مؤکل، وکیل اور مؤکل فیہ میں ضروری ہیں، چند اہم شرائط کا بیان کی جاتا ہے:

1. مؤکل فیہ تصرف اور دوسرے متعلقات کے اعتبار سے معلوم ہو، چنانچہ وکالۃ بالاستثمار میں بھی جو مبلغ سرمایہ کاری کے لئے دیا جاتا ہے وہ معلوم ہو، البتہ جہالتِ یسیرہ کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔
2. سرمایہ کاری سے ایسا شرعی امر موجود نہ ہو، جو وکالت کے لئے مانع ہو، چنانچہ شراب اور خنزیر کی بیع و شراء میں وکالت بالاستثمار صحیح نہیں، اسی طرح سود، جوا اور غرر وغیرہ پر مشتمل معاملات میں وکالت بالاستثمار بھی صحیح نہیں[28]۔

وکالۃ بالاستثمار میں لزوم[29]:

وکالت میں در اصل غیر لازم عقد ہے؛ کیونکہ یہ عقدِ تبرع (Benefaction Contract) ہے اور ان جیسے عقود میں لزوم نہیں ہوتا[30]۔ البتہ اگر اس کے ساتھ کسی غیر (یعنی اور انسان) کے حق کا تعلق ہو تو اس حالت میں یہ وکالت لازم بن جاتی ہے۔ جیسے: مؤکل وکیل سے کہے: "آپ یہ چیز فروخت کرے اور پھر اس کے ثمن (Price) سے اپنا قرض وصول کرے۔" چنانچہ اس طرح کی وکالت کا باطل کرنا جائز نہیں ہے[31]۔

اسی طرح جمہور کے ہاں اگر وکالت بالاُجرت ہو تب بھی یہ غیر لازم عقد ہے، البتہ مالکیہ کا ایک قول یہ ہے کہ وکالت بالاُجرت ہو تو یہ لازم عقد بن جاتا ہے؛ کیونکہ اس صورت میں یہ اجارہ کے حکم میں ہو جاتا ہے اور اجارہ عقدِ لازم ہے۔ اور وکالۃ بالاستثمار لازم عقد ہے، خواہ اُجرت کے ساتھ ہو یا بغیر اُجرت کے ہو؛ کیونکہ یہ معلوم مدت کی تعیین کے بغیر صحیح نہیں، جس کا عہد دونوں فریقین کرتے ہیں[32]۔

وکالۃ بالاستثمار میں نفع اور نقصان کے احکام:

وکالۃ بالاستثمار کے ساتھ سرمایہ کاری کرتے وقت اگر نفع حاصل ہو جائے تو تمام منافع مؤکل کا حق ہے اور اس میں وکیل کا کوئی حق نہیں ہے، البتہ اگر حسنِ کارکردگی کی بنا پر پہلے سے نفع میں سے کوئی متعین حصہ شرط کے طور پر رکھا گیا ہو، تو وہ وکیل کو دیا جائے گا۔

اگر وکالۃ بالاستثمار میں حسنِ کارکردگی کی بنا پر نفع میں سے بعض حصہ وکیل کو دینے کی شرط پہلے سے لگائی گئی ہو، جو کہ وکالت کی اُجرت کے علاوہ ہو، تو یہ جائز ہے۔

اگر وکالۃ بالاستثمار اپنے مقررہ وقت گزرنے سے پہلے ختم کرنے پر دونوں (مؤکل اور وکیل) متفق ہو جائے تو وقت کے لحاظ سے منافع کا حساب کیا جائے گا، پھر اسی نسبت سے حاجز (حسنِ کارکردگی کا صلہ) دیا جائے گا۔

اگر وکالۃ بالاستثمار میں وکیل سے نقصان ہو جائے اور یہ نقصان وکیل کی غفلت، کوتاہی یا وکالت کی شرائط اور قیودات کی مخالفت کی وجہ سے ہو جائے تو اس نقصان کا ضمان وکیل کے اُوپر ہو گا[33]۔

وکالۃ بالاستثمار کی معاصر تطبیقات:

وکالتِ مطلقہ کے اموال کو اموالِ مضاربہ اور وکیل کے مال کے ساتھ ملانا جائز ہے۔ اب اس صورت میں جب نفع ہو جائے تو وہ مؤکل کا ہے، اور وکیل صرف وکالت کی اُجرت کا حق دار ہو گا، البتہ اگر حسنِ کارکردگی کا انعام نفع میں سے بھی مشروط کیا گیا ہو تو وہ بھی وکیل لے سکتا ہے[34]۔

(1) وکالت بالاستثمار کو بینک اُوور ڈرافٹ (Bank Over Draft) کے متبادل کے طور پر بھی صحیح ہے، جس کا طریقہ کار یہ ہے، کہ کسٹمر بینک سے رقم لیتا ہے اور اپنی تجارت میں جاری سرمایہ کے ساتھ اس کو ملاتا ہے، چنانچہ یہ بینک کا مشاع (مشترک غیر تقسیم شدہ) حصہ ہو گا۔ اب کسٹمر اس مال کو اپنے قرضوں کی ادائیگی اور مزدوروں کی مزدوری میں دے سکتا ہے۔ کسٹمر اپنی وکالت بالاستثمار کی بنا پر اجرت کا مستحق ہوتا ہے اور اسی طرح اپنے مال کے منافع کا بھی حق دار ہے۔ وکالت کے بعد اگر تجارت میں نقصان ہو جائے تو دونوں فریقین اپنے اپنے حصہ کی نسبت سے خسارہ کو برداشت کریں گے[35]۔

مالیاتی ادارے مروّجہ بینکوں کو اور مروّجہ بینک مالیاتی اداروں کو وکیل بالاستثمار بناسکتے ہیں۔ لیکن اس میں یہ شرط معتبر ہوگی کہ وکیل بالاستثمار (مالیاتی ادارہ یا مروّجہ بینک) شرعی لحاظ سے جائز کاروبار کرتا ہو(36)۔

نتائج:

وکالۃ بالاستثمار کے حوالے سے زیرِ نظر بحث سے درج ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں:

- کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو اپنا کام سپرد کرے۔ سپرد کرنے والے کو مؤکل کہا جاتا ہے، اور جس کو سپرد کیا جاتا ہے اُسے وکیل کہتے ہیں۔
- مؤکل جس کام کو سپرد کر رہا ہے وہ خود اس کام کا اہل ہو اور مالک ہو، اور اس کام میں نیابت جائز ہو یعنی عبادات کے قبیل سے نہ ہو، اسی طرح وہ کام شرعی لحاظ سے جائز اور معلوم ہو۔
- مالکیہ کی طرف منسوب تعریف میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ سپردگی بطورِ امر (order) نہ ہو۔
- کام وکیل کی موت کے ساتھ مشروط نہ ہو۔
- مضاربت اور شرکت کی طرح وکالت کو بھی سرمایہ کاری کے آلے کے طور پر کام میں لایا جاسکتا ہے، لیکن فرق یہ ہے مضاربت اور شرکت میں نقصان کی صورت میں مضارب اور شریک کسی اُجرت کے مستحق نہیں ہوتے، جبکہ وکالت میں وکیل نقصان کی صورت میں بھی اُجرت کا مستحق ہوتا ہے، جب تک نقصان وکیل کی کوتاہی اور غفلت کی وجہ نہ ہوا ہو۔
- وکالۃ بالاستثمار لازم عقد ہے یعنی ایک عاقد دوسرے عاقد کی رضامندی کے بغیر ختم نہیں کر سکتا۔
- وکالۃ بالاستثمار کا عقد بھی شرعی طور پر جائز اُمور میں کیا جاسکتا ہے۔
- وکالت بالاستثمار بینک اُووَر ڈرافٹ (Bank Over Draft) کے متبادل کے طور پر بھی صحیح ہو سکتی ہے۔ اسی طرح مالیاتی ادارے مروّجہ بینکوں کو اور مروّجہ بینک مالیاتی اداروں کو وکیل بالاستثمار بناسکتے ہیں۔

حوالہ جات

(1) الفراهيدي، الخليل بن أحمد بن عمرو بن تميم، أبو عبد الرحمن، البصري (م: 170هـ)، **كتاب العين**،5:403، دار ومكتبة الهلال، بدون تاريخ طبع.

(2) الاحزاب33: 3

(3) الطبري، أبی جعفر، محمدبن جرير(م:310ھ)، **جامع البيان عن تاويل آي القران**، 20:204، مؤسسة الرسالة، بيروت 1420ھ.

(4) ابن منظور الأفريقي، محمد بن مكرم(م: 711هـ)، **لسان العرب**، باب اللام، فصل الواو، مادة:"**وكل**"،11: 736،دار صادر، بيروت 1414هـ۔

(5) الزمر39 :41

(6) الزجاج، إبراهيم بن السري (م: 311هـ)،**معاني القرآن وإعرابه**،4 :356، عالم الكتب، بيروت 1408 هـ - 1988م.

(7) التهانوي، محمد بن علي، الفاروقي، الحنفي (م: بعد1157هـ)، **كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم**، 2: 1805، مكتبة لبنان ناشرون، بيروت 1996ء

(8) ابن امير الحاج، شمس الدين، محمد بن محمد(م:879ھ)، **التقرير والتحبير**،2 :29، دارالكتب العلمية، بيروت 1403ھ.

(9) الزيلعي، عثمان بن علي الحنفي (م: 743 هـ)،**تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق**، 4 :254، المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق، القاهرة1313 هـ.

[10]علي حيدر(م: 1353ھ)، **كتاب درر الحكام شرح مجلة الأحكام**،3 :493، دار الجيل، بيروت،1411ھ - 1991م.

[11]المرجع السابق،1:403.

[12]القرافي، أحمد بن إدريس، المالكي (م: 684ھ)، **الفروق، أنوار البروق في أنواء الفروق**، 4 :55، عالم الكتب، بيروت بدون تاريخ طبع.

[13]الحطاب، محمد بن محمد، المالكي (م:954ھ)، **مواهب الجليل في شرح مختصر خليل**،5 :181، دار الفكر، بيروت 1412ھ.

[14]السنيكي، ابو يحي، زكريابن محمد زكريا(م: 926ھ)، **أسنى المطالب**، 2:260، دارالكتب العلمية، بيروت2000م.

[15]البهوتى، منصور بن يونس، الحنبلى(م: 1051ھ)، **دقائق أولي النهى**، 2 :184، عالم الكتب، بيروت،1414ھ-1993م.

[16] التوبة 9:60

[17]القرطبي، محمد بن أحمد بن أبي بكر(م: 671ھ)،**الجامع لأحكام القرآن**، 8 :177، دار الكتب المصرية، القاهرة،1964 م.

[18] البخاري، محمد بن اسماعيل (م: 256)، **الصحيح للبخاري**، 4: 207، رقم الحديث: 3642، دار طوق النجاة، مصر1422ھ.

[19] أبو داود، سليمان بن أشعث، السجستاني(م: 275ھ)، **سنن أبي داود**،3 :314، رقم الحديث:3632، المكتبة العصرية، صيدا – بيروت، بدون تاريخ طبع-

[20]ابن نجيم ،زين الدين بن إبراهيم، المصري (م: 970ھ)، **البحر الرائق شرح كنز الدقائق**،7 :141، دار الكتاب الإسلامي، بدون تاريخ طبع.

[21]ابن الهمام، محمد بن عبد الواحد، كمال الدين(م: 861ھ)، **فتح القدير**، 8 :3، دارالفكر، بيروت،بدون تاريخ طبع.

[22]التُّسُولي، أبو الحسن،علي بن عبد السلام (م: 1258ھ)، **البهجة في شرح التحفة (شرح تحفة الحكام)**، 1 :323، دار الكتب العلمية، لبنان، بيروت، 1418ھ - 1998م.

[23]ابن عابدين، محمد أمين بن عمر، الحنفي (م: 1252ھ)، **رد المحتار على الدر المختار**، 1 :94، دار الفكر، بيروت، 1412ھ.

[24]الزحيلي، وهبة بن مصطفى، **الفقه الإسلامي وأدلته**، 5 :4056، دار الفكر، بيروت، بدون تاريخ طبع.

[25] العاني، محمد رضا عبد الجبار، **الوكالة في الشريعة والقانون**، ص 6، دارالكتب العلمية، بيروت، بدون تاريخ.

[26]كرم، عبد الواحد،الدكتور، **معجم مصطلحات الشريعة والقانون**، ص: 446، مؤسسة الرسالة، بيروت 1997م.

[27] **هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الاسلامية، البحرين**،المعيار الشرعي (الوكالة بالإستثمار)،رقم (46)بند:1/2.

[28]المرجع السابق:،رقم (23)بند:3/3/3.

[29]هي الوكالة التي لا يجوز إنهاؤها بإرادة منفردة إذا تعلق بها حقللغير.(درر الحكام شرح مجلة الأحكام،3 :650.)

[30]الماوردي، علي بن محمد،أبو الحسن، البغدادي (م: 450ھ)، **الحاوي الكبير**، 6: 132، دار الفكر . بيروت بدون تاريخ طبع.

[31]نظام الدين البلخي ورفقاءه، **الفتاوى الهندية**،3:637، دار الفكر، 1310ھ.

[32]**هيئة المحاسبة والمراجعة**،المعيار الشرعي (الوكالة بالإستثمار)،رقم (46)بند:1/4.

[33]أبو غدة، عبد الستار، الدكتور، **الوكالة بالاستثمارتأصيلها و تطبيقاتها**، [بحوث ندوة البركة]، ص: 361، إدارة التطوير والبحوث مجموعة ندوة البركة المصرفية، الطبعة الأولي 1434ھ= 2013م.

[34] **هيئة المحاسبة**،المعيار الشرعي (الوكالة بالإستثمار)،رقم (46)بند:1/12.

[35]المرجع السابق: بند:2/12

[36] المرجع السابق: بند:3/12.